پروفیسر خالد شبیر احمد　　　　قسط:۴۹

ورق ورق زندگی

ایک رات بزرگوں کی یاد:

پندرہ نومبر ۲۰۰۹ء کو میں رات کے تقریباً ۸،۹ بجے امین پور بازار میں شیخ بشیر احمد صاحب کی دکان ''بشیر کلاتھ ہاؤس'' میں بیٹھا ان سے گفتگو کر رہا تھا۔ وہ مجلس احرار اسلام کے دیرینہ کارکن مولانا تاج محمود رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھی، شورش کاشمیری رحمتہ اللہ علیہ کے دوست اور انجمن تاجرانِ فیصل آباد کے صدر تھے۔ میں جب بھی فیصل آباد جاتا ان سے ملاقات ضرور کرتا اور اکثر و بیشتر ہماری گفتگو کا موضوع اکابرِ احرار ہی ہوتے۔ اس رات بھی وہ مجھے قاضی احسان احمد شجاع آبادی رحمتہ اللہ علیہ کا ایک واقعہ سنا رہے تھے کہ ایک دفعہ میں ان سے روٹھ گیا۔ دکان پر آتے تو میں اُن سے کہتا کہ آپ سے تو میں روٹھا ہوا ہوں اور آپ پھر بھی میرے پاس آجاتے ہیں آخر کیوں؟ قاضی صاحب نے کہا کہ روٹھے ہوئے ہو تو میں تمھیں منانے کے لیے کیوں نہ آؤں؟ اور میں بھی تو اسی لیے روٹھا تھا کہ وہ مجھے منائیں۔ ایک دن قاضی صاحب آئے اور کہا کہ آج میں تمھیں منانے کے لیے نہیں آیا، بلکہ اپنے رضا کار کو حکم دینے کے لیے آیا ہوں کہ آج رات کو سمندری میں میری تقریر ہے اور تمھیں بھی ہر صورت حاضر ہونا ہے۔ شیخ بشیر صاحب کہتے ہیں کہ اب تو حکم تھا چنانچہ میں نے ایک کار کا انتظام کیا اور تقریر سننے کے لیے سمندری پہنچ گیا۔ قاضی صاحب کو ملا تو کہنے لگے کہ مجھے فیصل آباد لے چلو اور رات کا قیام آپ کے گھر ہوگا۔ چنانچہ میں انھیں گھر لے آیا، صبح ناشتہ کیا، پھر جب میں انھیں اڈے پر چھوڑ کر گھر آیا تو میری والدہ نے مجھے بلایا اور کہا کہ یہ شخص کون تھا جو ہمارے گھر میں بطور مہمان ٹھہرا؟ میں نے جواب میں کہا کہ میرے لیڈر، میرے محسن قاضی احسان احمد شجاع آبادی تھے۔ میری والدہ نے کہا کہ اس شخص نے تو مجھے حیران کر دیا، صبح جب میں اٹھی اور گھر کی صفائی کرنے لگی تو یہ اٹھ کر آئے اور میرے قدموں پہ اپنے ہاتھ رکھ کر بڑے ادب اور احترام سے کہنے لگے کہ: اماں جی آج اس گھر کی صفائی مجھے کرنے دیں، آپ آرام کریں۔ میری حالت اس وقت یہ تھی کہ میرے منہ سے کوئی لفظ نہ نکل سکا، حیران تھی کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ پھر تمھارے لیڈر نے چپکے سے جھاڑو لے کر صفائی شروع کر دی۔ یہ واقعہ سنا تو میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے، میں نے سوچا کہ جب بھی ہمارے لیڈر جلسہ گاہ میں آتے ہیں تو لوگ ان کے ساتھ اپنی والہانہ محبت و عقیدت کا خوب اظہار کرتے اور ان کی شان میں نعرے بلند کرتے ہیں، اپنی پذیرائی پر فخر و تکبر سے بچنے کا علاج ایسے کاموں سے کرتے۔ اس واقعہ کے بعد میں نے انھیں امیر شریعت رحمتہ اللہ علیہ کا ایک واقعہ سنایا جو مجھے قاضی احسان احمد شجاع آبادی رحمتہ اللہ علیہ کے بڑے داماد (جن کا نام ذہن سے اتر چکا ہے) نے ریل گاڑی میں سفر کے دوران سنایا تھا۔ ایک مرتبہ پشاور میں امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر تھی۔ تقریر کے بعد پشاور کے ایک مخلص اور پرانے احرار رضا کار نے

امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ سے اصرار کیا کل آپ نے دوسرے محلّہ میں تقریر کرنی ہے اور اس لیے آپ پشاور سے نہیں جا سکتے۔ امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: میں نے تو کل سفر کرنا ہے اور کسی دوسرے شہر میں میری تقریر ہے، اسی وجہ سے میں یہاں مزید قیام نہیں کر سکتا۔ رضا کار اصرار کر رہا ہے اور امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ انکار کرتے جا رہے ہیں۔ امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ نے رضا کار کو کہا کہ تم یہ کیوں نہیں سمجھتے کہ میں نے وعدہ کیا ہوا ہے۔ لوگ میرے انتظار میں ہوں گے، بھلے مانس میں کیسے تمہاری خواہش پوری کر سکتا ہوں؟ رضا کار نے کہا کہ اچھا اگر آپ میری بات نہیں مانتے تو پھر میرا بھی آپ سے کوئی تعلق نہیں ہے میں بھی آپ سے روٹھ جاؤں گا۔ چنانچہ شاہ صاحب تو اپنے سفر کو روانہ ہوگئے۔ جب دوبارہ کچھ عرصے بعد پشاور آئے تو وہ رضا کار شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ کو ملنے کے لیے نہیں آیا اور اس رضا کار کی افغان چپل کی دکان تھی۔ شاہ جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ذہن میں بھی تھا کہ وہ روٹھا ہوا ہے۔ پشاور کا جو بھی رضا کار شاہ جی کو ملنے کے لیے آتا شاہ جی اس کا نام لے کر پوچھتے کہ اسے معلوم نہیں کہ میں پشاور آیا ہوا ہوں۔ رضا کار کہتے کہ اسے معلوم ہے، ہم نے اسے کہا کہ آؤ شاہ جی کو مل آئیں وہ کہتا ہے کہ تم جاؤ میں آ جاؤں گا، رضا کار روٹھا ہوا تھا وہ نہ آیا۔ قاضی صاحب کے داماد نے کہا کہ یہ واقعہ خود اُس رضا کار نے مجھے سنایا کہ رات کو میں تقریر تو سن کے آ گیا لیکن شاہ جی کو ملا نہیں تھا۔ اُس نے بتایا کہ دوسرے دن میں حسبِ معمول اپنی دکان پر چپل بنانے میں مصروف تھا اور میری آنکھیں نیچے تھیں۔ جب میں نے نظریں اٹھائیں تو دیکھا کہ امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ میری دکان کے دروازے پر نہ جانے کب سے کھڑے میری طرف دیکھ رہے تھے۔ میں نے جب اچانک انھیں دیکھا تو وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر میرے سامنے کھڑے تھے اور کہہ رہے تھے دیکھو میں ہاتھ جوڑ کر تم سے معافی مانگتا ہوں اور اب جب تک تم مجھ سے معانقہ نہیں کرو گے میں پشاور سے واپس نہیں جاؤں گا۔ کبھی بیٹے بھی اپنے باپ سے ایسے روٹھتے ہیں؟ قاضی صاحب کے داماد نے بتایا کہ رضا کار اٹھا اور اٹھ کر شاہ جی کے پاؤں پر ڈھیر ہوگیا اور اس نے بلک بلک کر رونا شروع کر دیا۔ امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ نے ہی اسے چپ کرایا، تانگہ دکان کے سامنے کھڑا تھا اسے کہا کہ چلو میرے ساتھ سٹیشن مجھے چھوڑ کر آؤ۔ اس نے دکان بند کر دی اور شاہ جی کے ساتھ سٹیشن تک گیا۔ شاہ جی نے روانہ ہونے وقت اسے کچھ رقم دی اور کہا کہ آج گھر میں میرے بچوں کو میری طرف سے کچھ لے کر دینا۔

اب آپ بتائیں کہ جب احرار رہنما احرار رضا کاروں کے ساتھ یہ رویہ اختیار کیے ہوئے تھے تو پھر رضا کار اُن کے حکم پر جان قربان کیوں نہ کرتے۔

اب انھیں ڈھونڈو چراغ رخ زیبا لیکر

شورش کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں درست کہا تھا کہ:

''شاہ جی سمجھنے سمجھانے کی نہیں پیار کرنے کی شخصیت ہیں''

اور قاضی صاحب بھی تو شاہ جی کی ہی شخصیت کا پرتو تھے۔ بچپن میں ان کے والد محترم نے انھیں امیر شریعت

کے سپرد کر دیا تھا۔ وہ ان کی ہی تربیت میں پروان چڑھے پھر امیر شریعت رحمتہ اللہ علیہ کی شخصیت کا پرتو ان میں نظر نہ آتا؟ یہ سب لوگ ایسے ہی تھے کہ جن کے بارے میں کہا جا سکتا ہے:

ہوش و حواس وجد میں آ کے اچھل پڑے
دیکھا انھیں تو شوق کے سب دیپ جل پڑے
گذرے کہیں سے ایک بھیڑ ساتھ تھی
رکتے قدم بھی دیکھتے ہی ان کو چل پڑے
مصحف پہ ان کے نور کی بارش کو دیکھ کر
جذبے دلِ عشاق کے یکدم اچھل پڑے
مدت ہوئی کہ نظروں سے وہ دور ہوگئے
ساحل پہ اپنے ذہن کے ان کی ہی چھل پڑے

سید محمد ذوالکفل بخاری کی مکہ مکرمہ میں شہادت:

ہم دونوں اکابر کی بہترین یادوں میں کھوئے ہوئے تھے کہ اچانک میرے موبائل کی گھنٹی بجی۔ حافظ محمد علی مرحوم (جو کہ مرکز احرار چناب نگر کے ایک فعال اور مخلص کارکن تھے) نے سلام کے بعد کہا کہ:

’’سید محمد ذوالکفل بخاری مکہ معظّمہ میں ٹریفک حادثے میں شہید ہوگئے ہیں اور اُن کی تدفین بھی وہیں میں ہوگی۔‘‘

یہ جانکاہ خبر سن کر ہم دونوں شدید غم اور صدمے کیفیت میں سے دوچار ہوگئے جو بیان سے باہر ہے۔ بار بار یہ خیال دل ودماغ میں وارد ہوتا کہ اتنا عظیم سانحہ...... ابھی کل ہی کی تو بات ہے کہ میں ان کی شادی کی تقریب میں شامل تھا اور آج یہ شہادت...... قدرت کے کھیل بھی کتنے عجیب ہوتے ہیں؟ پھر یہ بھی خیال آیا کہ میں ان کے خاندان کے افراد سے تعزیت بھی کر پاؤں گا یا نہیں۔ یہ سانحہ صرف امیر شریعت رحمتہ اللہ علیہ کے خاندان کا ہی نہیں ہے بلکہ پاکستان کے علمی وادبی حلقوں کے لیے بھی ایک ایسا صدمہ ہے جسے لفظوں میں بیان کرنا مشکل ہے، وہ ایک گوہر یکتا تھے۔ زُہد وتقویٰ کے حوالے سے بھی منفرد اور علم وفضل کے حوالے سے بھی بے مثل، ایسی علمی شخصیت کہ جن کے علم کا احاطہ ہی مشکل امر ہے۔ اس اندوہناک خبر نے کر کچھ لمحے کے لیے ہم دونوں پر غم کیفیت طاری کر دی، بہرحال پھر میں شیخ بشیر صاحب سے اجازت لے کر گھر آیا اور اپنے چھوٹے بھائی نصیر سے رابطہ کر کے ملتان جانے کا پروگرام بنایا۔

دوسرے دن ملتان کے لیے ہم دونوں بھائی سفر کر رہے تھے تو میں سارا راستہ یہی سوچتا رہا کہ سید محمد کفیل بخاری صاحب اور ان کے والد محترم پروفیسر وکیل شاہ صاحب اور حضرت پیر جی مدظلہٗ کا سامنا کیسے کر پاؤں گا؟ وہ انتہائی افسردہ اور غمگین ہوں گے، کن الفاظ سے تعزیت کروں گا؟ جب ہم دونوں بھائی دارِ بنی ہاشم پہنچے تو میرا یہ حال تھا کہ سوائے انا اللہ

وانا الیہ راجعون کے اور کچھ نہ کہہ پایا، تسلی کا کوئی دوسرا لفظ نہ کہہ سکا۔ جیسے سارے الفاظ منہ میں ہی منجمد ہو کے رہ گئے ہوں۔ لوگوں کا ہجوم سید وکیل شاہ صاحب کے اردگرد چار پائیوں پر بیٹھا غم واندوہ میں ڈوبا نظر آیا۔ سوگوار فضا نے ہر ایک فرد کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ وکیل شاہ صاحب صبر واستقامت کا پہاڑ بنے بیٹھے تھے۔ ادھر پیر جی سید عطاء المہیمن شاہ صاحب ہر آنے والے کو صبر کی تلقین کرتے نظر آئے۔ ان کے لبوں پر تو ’’انا اللہ وانا الیہ راجعون‘‘ اور ’’صبر‘‘ کے سوا کچھ نہ تھا۔ وہ خود رونے والی کی ڈھارس بندھاتے اور میں یہ دیکھ کر حیران ہو رہا تھا کہ اس خانوادے پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل وکرم ہے کہ اتنے بڑے سانحے اور صدمے پر بھی شرعی حدود سے تجاوز کہیں نظر نہیں آتا۔

امیر شریعت رحمتہ اللہ علیہ کے خاندان سے دیرینہ تعلق خاطر ہے اور اسی تعلق کی وجہ سے میں ان کی ہر خوشی اور غم میں شریک رہا۔ سید محمد کفیل بخاری صاحب کی شادی میں بھی شرکت کا موقع ملا اور سید محمد ذوالکفل بخاری شہید رحمتہ اللہ علیہ کی شادی میں بھی۔ سید محمد ذوالکفل بخاری رحمتہ اللہ علیہ کی شہادت کے موقع پر بھی ان کے درمیان تھا، یہ حضرات خوشی ہو یا کہ غم دونوں صورتوں میں شرعی حدود سے تجاوز نہیں کرتے۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَاءُ. حالانکہ ہمارے معاشرے میں یہی دو مواقع ایسے ہوتے ہیں کہ لوگ جذباتی ہو کر شرعی حدود پھلانگ جاتے ہیں۔ مجھے ہر مرتبہ ایسے ماحول میں ایمان کی تازگی کا احساس ہوا۔ راضی بہ رضائے الٰہی منہ سے کہہ لینا آسان سی بات ہے لیکن عملاً اس کا مظاہرہ کرنا بہت مشکل امر ہے لیکن اس عظیم خاندان کے لیے یہ مشکل نہیں ہے۔

مجھے سید محمد ذوالکفل بخاری شہید رحمتہ اللہ علیہ کے پاس بیٹھنے کے مواقع بہت کم میسر آئے۔ مرحوم ومغفور ۱۹۶۹ء میں پیدا ہوئے اور میں مارچ ۱۹۶۹ء کو گورنمنٹ کالج سول لائن ملتان سے ایس۔ ای کالج بہاولپور چلا گیا، بہاول پور سے بھی کئی مرتبہ ملتان آتا جاتا رہا۔ لیکن معمول کے مطابق سید ابوذر بخاری رحمتہ اللہ علیہ، سید عطاء المحسن بخاری رحمتہ اللہ علیہ اور سید عطاء المومن شاہ صاحب سے فیض یاب ہوتا رہا، کفیل شاہ صاحب بھی ان دنوں اپنے گھر کے دوسرے افراد کے ساتھ مدرسہ خیر المدارس میں تعلیم حاصل کر رہے تھے اور وہیں پر ایک کرائے کے مکان میں رہائش پذیر تھے۔ سید محمد ذوالکفل بخاری شہید رحمتہ اللہ علیہ تو ان دنوں اپنی والدہ ماجدہ کی گود میں ہوں گے، پھر جب جوان ہوئے اور زیورِ علم وفضل سے آراستہ ہو کر عملی زندگی میں داخل ہوئے تو ان دنوں میں گورنمنٹ کالج فیصل آباد میں تھا۔ بہر حال ملتان تو پھر بھی آنا جانا رہا اور اس طرح کبھی کبھی سید ذوالکفل شہید رحمتہ اللہ علیہ سے بھی ملاقات ہو جاتی۔ میں نے تو انھیں صرف پڑھا ہے۔ اہل علم حضرات نے جو کچھ ان پر تحریر کیا ہے ان تاثرات کو پڑھ کے میں حیران رہ جاتا ہوں کہ کیسا عبقری انسان تھا۔ پھر ان کی اپنی تحریریں بھی جو کہ سید محمد کفیل بخاری صاحب کے ’’نقیب ختم نبوت‘‘ کے اس نمبر میں جو شہید کے نام منسوب ہے، میں یکجا کر دی ہیں، انھیں بھی غور سے پڑھا تو ایک بات واضح ہو کر سامنے آئی کہ اس موت کا صدمہ ان کے خاندان کو ہی نہیں ہوا اور یہ نقصان صرف خاندانِ امیر شریعت کا ہی نہیں بلکہ پورے معاشرے کا ہے اور خاص طور پر علم وادب کے پرستار لوگ جو

اس موت پر نوحہ خواں نظر آئے ہیں اس بات کی بیّن دلیل ہے کہ سید محمد ذوالکفل بخاری شہید رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے انسان، علم دوست، فہم وفراست کا استعارہ، علمیت اور شعریت کا نقطہ کمال، فکرودانش، تحقیق وتفحص اور زہد وتقویٰ کی ایک خوبصورت تصویر تھی جو نظروں سے تو دور ہوگئی لیکن اہل علم حضرات کے ذہن وقلب پر نقش ہوگئی ہے۔ جو مقام سید محمد ذوالکفل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے علمی وادبی حلقوں میں پیدا کیا تھا وہ مقام ان کے دلوں میں زندہ رہے گا اور وہ ان کی صلاحیتوں کے اظہار کے لیے انھیں سراہتے رہیں گے۔ یہی ان کا ہم پر حق ہے اور وہ اس کے ہر حوالے سے مستحق بھی ہیں۔ ایسے لوگ صرف آنکھوں سے اوجھل ہوتے ہیں مرتے نہیں ہیں، میں نے سید محمد ذوالکفل شہید کی شہادت پر دو نظمیں کہی تھیں جن میں سے صرف چند اشعار نذر قارئین ہیں:

ہر اک کمال اوج پہ تھا ان کی ذات میں　　وہ شخص لاجواب تھا جملہ صفات میں
ذوالکفل کو ملا تھا وہ حسن و جمالِ فکر　　روشن تھا مثل ماہ وہ تاریک رات میں
ہے عکس ریز دل پہ میرے اس کی چاندنی　　وہ چاند ضو فشاں ہے شبِ مشکلات میں
بے مثل خاندان کا بے مثل تھا وہ فرد　　نہ ڈگمگایا وہ کبھی راہِ ثبات میں
قبضہ میرے شعور پہ خالد اُسی کا ہے　　چرچا ہے جس کی موت کا کل کائنات میں

☆☆☆

شاعر ادیب اور محقق تھا بے گماں　　افکارِ دینِ حقہ کا بے مثل ترجماں
اطوار جس کے سیرتِ اطہر سے بہرہ مند　　علم وعمل کی دنیا کا فرزندِ ارجمند
اس دورِ انحطاط میں اک دیدہ ور تھا وہ　　دنیائے شعر و عمل میں کامل نظر تھا وہ
گہری نظر تھی اس کی علوم وفنون پر　　تھا ناز اس کو دولتِ عشق و جنوں پر
دنیائے ذوق و شوق کا بے مثل شہر یار　　احرار جس کی موت پہ ہیں سارے اشکبار
خالد ہر اک سمت سے آتی ہے یہ صدا
''ویران ہے میکدہ خم و ساغر احرار ہیں　　تم کیا گئے کہ روٹھ گئے دن بہار کے''

جاری ہے

❄......❄......❄